تحریر: عتیق الرحمان سنبھلی (لندن)

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جن کے انتقال کی خبر پر شائع ہونے والے تعزیتی بیانات بجا طور پر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ ہمارے دور کی ایک اہم شخصیت تھے ان کے چھوڑے ہوئے تحریری سرمائے ہی میں جو چھوٹی بڑی تقریباً ۸۰ کتابوں پر مشتمل ہے ہمارے لئے روشنی اور رہنمائی نہیں ہے بلکہ ان کی زندگی کی تفصیلات میں بھی خاص طور سے ہماری اس نسل کیلئے جس پر مستقبل کی قومی اور ملی ذمہ داریاں آنے والی ہیں، تعمیر و ترقی کی منزلیں طے کرنے کا ایک اعلیٰ نمونہ ملتا ہے۔

مولانا نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ تحصیل علم وادب کے اتنے شوقین تھے کہ بالکل بچپن میں جب وہ تھوڑا پڑھنے لکھنے لگے تھے تو انہیں جو پیسے ایک بچے کی حیثیت سے اپنے بڑوں خاص طور سے والدہ ماجدہ کی طرف سے ملتے تھے وہ انہیں کتابیں خریدنے کیلئے جمع کرتے تھے اور بجائے عام بچوں کی طرح کھا پی کر اڑا دینے کے اپنی پسند کے مطابق اور عمر کے لحاظ سے موزوں کتابیں خریدتے تھے۔ اس علمی ذوق و شوق کے نتیجے میں وہ جلد ہی مضمون نگاری بھی کرنے لگے اور انکی عمر ۲۴ر ۲۵ سال کی تھی جب ان کے قلم سے اپنے خاندانی ہیرو شہید بالاکوٹ (حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی) کی سوانح عمری کئی سو صفحات پر مشتمل کتاب کی شکل میں لکھی اور وہ ایک عمدہ کتاب مانی گئی۔ مولانا کے والد ماجد حکیم سید عبدالحئی حسنی عربی اور اردو کے ایک بلند پایہ مصنف ہونے کیساتھ ساتھ اس ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے ابتدائی دور کے ناظم Rector ہونے کا اعزاز رکھتے تھے جسکی (Rector ship) کے عہدے پر تقریباً چالیس سال فائز رہ کر مولانا نے گزشتہ سنہ ۱۹۹۹ء کے آخری دن انتقال فرمایا ہے مولانا کے والد محترم مولانا کی بہت کم عمری یعنی صرف نو سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے اسکے بعد کا دور آپ نے اپنے بڑے بھائی حکیم ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی کی سرپرستی میں گزارا اور انہیں بھی ندوۃ العلماء کی نظامت کے عہدے کا اعزاز حاصل تھا۔ ندوہ سے اس گہرے رشتے کی بنا پر مولانا کو اسکی درسگاہ (دارالعلوم ندوۃ العلماء) سے استفادے کا جو موقع ملا اسے آپ نے بعض بڑے لوگوں کے بیٹوں کی طرح ضائع نہیں کیا بلکہ

بھرپور فائدہ اٹھایا اور بعض عرب استادوں کی موجودگی کے فیض سے اردو تحریر کے شانہ بشانہ عربی تحریر میں بھی کمال بہم پہنچایا۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو اس دار العلوم ندوۃ العلماء میں استاد مقرر کئے گئے خاص طور سے تفسیر قرآن کے اور ندوہ کے ماہانہ عربی رسالے الضیاء کی ادارتی ٹیم کے رکن بھی بنائے گئے۔

علمی و ادبی کمال کی تحصیل میں محنت اور لگن کیساتھ اللہ نے نوجوان مولانا علی میاں میں نیکی اور پابندی شریعت کی خاندانی میراث کیساتھ ان اوصاف کو ملت اسلامیہ میں عام کرنے کا جذبہ بھی عطا فرمایا تھا۔ مولانا کی پیدائش ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ کی ہے یعنی وہ زمانہ جب عالم اسلام پر جنگ عظمیٰ اول کی وہ قیامت ٹوٹنا شروع ہوئی تھی جو بالآخر خلافت اسلامیہ (عثمانیہ) کو کھا گئی اور عالم اسلام کی جان عربی دنیا پنجہ فرنگ کی ایسی بھرپور گرفت میں آئی کہ اس کا حلیہ ہی بگڑ گیا اور ایک عظیم وحدت فرنگی استعمار کی مرضی کے مطابق بے حیثیت ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئی۔ بات جب یہاں پہنچی یعنی جنگ عظیم اول کی لائی ہوئی مصیبت کے آثار و نتائج بھرپور طریقے سے نمایاں ہونا شروع ہوئے تو یہ وہ وقت تھا جب مولانا علی میاں بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور انکے علمی ذوق اور شوق مطالعہ کی بدولت انکا شعور بالغ ہونا شروع ہو گیا تھا عالم اسلام کی اس مصیبت کا جو نقش انکے دل و دماغ میں اسوقت جما تو پھر وہ ساری عمر اس لگن سے آزاد نہ ہو سکے کہ اس صورتحال کو بدلنا ہے۔ عالم اسلام کی تقدیر کو پلٹنا ہے اور ایک دفعہ پھر اسلام کا پرچم لہراتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ اردو تحریر و تقریر کے ساتھ عربی تحریر و تقریر پر جو قدرت انہوں نے اپنے ذوق و شوق اور محنت سے حاصل کی اس نے اس میدان کار میں مولانا کی بڑی مدد کی اس عربی تحریر و تقریر کے ذریعے سے وہ براہ راست عالم اسلام کے قلب عالم عربی کی طرف متوجہ ہو گے اور پھر جس حد تک اس دنیا میں رسائی اور پہنچ ممکن ہوئی مولانا نے کوئی کسر اس میں اٹھا کے نہ رکھی کہ امت کے اس دل کو بیدار کیا جائے اسی انداز کی حرکت میں اسے لایا جائے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کا تختہ الٹ دیا تھا
سنا ہے میں نے یہ قدسیوں میں وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

مولانا کو اللہ نے دوسری بہت سی نعمتوں کے ساتھ فقر غیور کی خاندانی اور نسبی میراث کا بھی وارث بنایا تھا وہ حضرت علی بن ابی طالب کی نسل سے تھے اور انہی جد امجد کے نام پر نام بھی رکھا گیا تھا اس بڑے نام کی انہوں نے بھرپور لاج رکھی۔ کمالات علمی و ادبی اور قدرت تحریر و تقریر اور اخلاص بوجہ اللہ کے ساتھ یہ فقر غیور کی دولت انکی وہ خاص چیز تھی جس نے انہیں "فاتحین زمانہ" کی صف میں شامل کیا۔ عربوں کے یہاں جب سے تیل نکلا وہ ساری دنیا کو دولت کی خیرات بانٹتے ہیں مگر مولانا علی میاں کی خدمت میں انہیں عزت کا خراج پیش کرنا پڑا۔ اسلئے کہ مولانا نے اس دیار کا گلی کوچہ چھان کر بھی ان کی دولت پر ایک نگاہ غلط انداز میں کبھی نہ ڈالی۔ مولانا کے ساتھ کوئی جماعت اور تنظیم نہ تھی جو عالم عرب، عالم اسلام میں ان کا امیج بنانے کی تدابیر کرتی۔ یہ صرف انکی اہلیت کیساتھ انکا خلوص، انکا درد و سوز اور یہ فقر غفور تھا جس نے انہیں وہ عزت پورے عالم اسلام میں عطا کی کہ عالم اسلام کا تمام دینی رجحان والا طبقہ آج انکے فراق پر سوگوار ہے جمعہ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء، ۲۳ رمضان جو انکے انتقال کا دن ہے اسی مبارک دن میں انکی نماز جنازہ غائبانہ حرم شریف میں ادا کی گئی۔ مولانا اپنی آنکھوں سے دنیائے اسلام میں تبدیلی کا وہ منظر نہیں دیکھ سکے جس کیلئے انکا دل تڑپتا اور اپنے زبان و قلم اور ضعیف جسم کیساتھ وہ سراپا حرکت بنے رہتے تھے خود فرمایا کرتے تھے : ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر ہیں

مگر وہ نقش پا چھوڑ گئے ہیں ان میں بعد والوں کیلئے ایک نمونہ بھی ہے اور حوصلے کا سامان بھی۔

پس یہ چند سطریں مولانا مرحوم کی مدح و ثنا کیلئے نہیں لکھی گئیں ہیں بلکہ اصل محرک یہ ہے کہ آج نئے سرے اور نئے انداز سے عالم اسلام کو اس طرح کے چیلنجوں کا سامنا ہے جس طرح کے چیلنج نے آج سے ستر برس پہلے مولانا میں اسکا حریف اور مدمقابل ہونے کی روح پھونکی تھی اسلئے آج جو روحیں آج کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور انکا منہ موڑنے کی بے چینی اپنے اندر پا رہی ہیں انکی یہ ایک خدمت ان سطروں کے راقم کو نظر آرہی ہے کہ وہ انکو ایک ایسے پیشرو کے نمونہ عمل پر غور و فکر کی طرف متوجہ کرے جسکو علم کی گہرائی اور خاص طور سے مطالعہ سیرت نبوی اور تدبر فی القرآن نیز خداداد ذہانت و فطانت کی بدولت ایک حکمت و دانائی کا مقام بھی مسلمہ طور پر حاصل تھا ایسے افراد کا نمونہ قوموں اور ملتوں کی بیش قیمت میراث ہوتی ہے۔